اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:3، شمارہ:1 (جنوری تا جون 2025ء)
ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

ڈاکٹر محمد اصغر سیال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اقبال اسٹڈیز، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور
ڈاکٹر احمد حسین ہادی
ٹیکساس، متحدہ ریاست ہائے امریکہ

تحسینؔ سبائے والوی: اُردو اور سرائیکی ادب کا گمنام شاعر

Dr. Muhammad Asghar Sial
Assistant Professor, Department of Iqbal Studies, IUB
Dr. Ahmad Hussain Haadi
Texas, United States of America

Tehseen Sabai Walvi: An Unsung Poet of Urdu and Saraiki Literature

ABSTRACT
Tehseen Sabai Walvi, a significant yet underrecognized poet, contributed extensively to Urdu and Saraiki literature, establishing a distinctive position among his contemporaries. His upcoming collection, Hadisa-e-Wafa, symbolizes his dedication to Urdu poetry, which, though revered for its quality, remains largely unpublished. Walvi explored nearly all literary genres, enriching both Urdu and Saraiki traditions. His work reflects themes of national identity intertwined with cultural heritage, particularly in the Saraiki language's legendary capital. Financial constraints impeded the publication of his complete Urdu works, creating a gap in literary history. Further research into his unpublished works could provide critical insights into his contributions and the development of regional literature.

Keywords: *Tehseen Sabai Walvi, Hadisa-e-Wafa, Urdu and Saraiki literature, Urdu Ghazal, Urdu poetry, Khudabakhsh Ibrat, Janbaz Jatoi*

محمد اقبال تحسینؔ سبائے والوی ضلع مظفر گڑھ کی تحصیل جتوئی کے ایک قصبے سبائے والہ کی ایک چھوٹی سی بستی چاچڑاں میں ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہاں شعر و ادب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے والدِ محترم خدا بخش عبرتؔ شاعر تھے۔ ان کے والد نے سرائیکی کے معروف نعت گو شاعر مولانا نور محمد کہتر سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ تحسینؔ سبائے والوی اپنے دور کے معروف سرائیکی شاعر جانباز جتوئی کے شاگردِ رشید تھے۔ ان کے استاد اپنے ہونہار شاگرد پر نازاں رہے۔ اگرچہ تحسین سبائے والوی کی ادبی زندگی نہایت مختصر ہے۔ وہ محکمہ بہبودِ آبادی سے محکمہ تعلیم میں منتقل ہوئے۔ انھیں اطمینان تھا کہ اب وہ بہتر مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ سال ۱۹۸۹ء کا آخری دن ان کی

زندگی کا بھی آخری دن ثابت ہوا۔ انھوں نے بہت کم لکھا لیکن اہمیت کے لحاظ سے اعلیٰ معیار قائم کیا۔ ان کا کام منظر عام پر آنے کے بعد یقیناً لائقِ تحسین ہو گا۔ غلام جیلانی چاچڑ اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں:

"تحسین سبائے والوی ادب دی دنیا وچ بہوں تھولی عمر وچ قدم رکھیا۔ تحسین، شاعری ہووے، انشائیہ ہووے، ترجمہ ہووے تے بھاویں اُردو شاعری ہووے تے اُردو کالم نویسی ہووے غرض سرائیکی نظم و نثر وچ فن دے بہوں سارے اصناف تے لکھیا۔" (1)

ترجمہ: تحسینؔ سبائے والوی نے ادبی دنیا میں بہت کم عمری میں قدم رکھا۔ تحسینؔ، شاعری ہو، انشائیہ ہو، ترجمہ ہو یا اُردو شاعری ہو، چاہے کالم نگاری ہو، مختصر انھوں نے سرائیکی نظم و نثر میں بہت سی اصناف میں قلم فرسائی کی۔

ماہنامہ "سرائیکی ادب" میں مجاہد جتوئی تحریر کرتے ہیں:

"تحسین کیا نہیں لکھدا تحسین فن دی جتنی اصناف تے لکھدے اُوندے فن دی ہر صنف تے ہِک ہِک کتاب لکھی ونج سکدی اے" (2)

ترجمہ: تحسینؔ کیا نہیں لکھتا؟ تحسینؔ فن کی جتنی اصناف پر لکھتے ہیں ان کے فن کی ہر ہر صنف پر ایک ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے:

ماحول کا شکوہ کبھی اقبال نہ کیجو
وہ پھول بھی مہکے ہے جو کانٹوں میں پلے ہے

اقبالؔ عظیم ایسے نابینا شاعر کے خیال کے مصداق ذہانت اور قابلیت کسی مقید چیز کا نام نہیں۔ شہر کے وسط میں اور گاؤں کے کونے میں جواہرِ قابل موجود ہوتے ہیں۔ قابلیت کو اظہار کا موقع چاہیے۔ تحسینؔ سبائے والوی بستی چاچڑاں، سبائے والا کے ایسے شاعر تھے جن کا کلام ہر دل کی آواز محسوس ہوتا ہے۔ بندۂ ناچیز نے انھیں اس وقت دیکھا جب وہ معروف کرکٹر مدثر نذر کے ہم شکل دکھائی دیتے تھے۔ مولانا غلام جیلانی مذہبی سکالر اور ادب پرور طبعیت کے مالک ہیں۔ ان کے ذریعے تحسینؔ سبائے والوی سے تعارف ہوا۔ راقم الحروف نے ان کا کلام بار بار پڑھا اور ہر بار لطفِ نو نے مسرور رکھا۔ اُن کا ابتدائی مسودہ مجھے عطا ہوا اور کتابت کا مرحلہ انیس سو نوے کی دہائی میں تکمیل کو پہنچا۔ اعدادِ قرن بدل گئے۔ ان کے کلام کو مولانا غلام جیلانی نے حرزِ جاں بنائے رکھا۔ کئی مرتبہ ایک ایک شعر پر جو کیفیت و لذت حاصل ہوئی اس کا اندازہ قارئین بخوبی لگا سکیں گے۔ میرؔ کے بقول وہ خود اشعار کی چاشنی میں محو رہے:

میرؔ کوئی غزل کہو اب تُم
لذتِ شعر میں رہو خود گُم

کتابت سے کمپوزنگ کا سفر ہماری زیست کا تیز ترین اور شاعر کی روح کے لیے انتظار آفرین رہا۔ اب کلامِ تحسین آپ کے ہاتھ میں ہے۔ شاعر کے مقبولیت اور ہم عصر شعرا میں مقام کا تعین تاریخ کرتی ہے۔ تحسین سبائے والوی ایسے ماہرِ فن تھے کہ انھوں نے تمام اصنافِ ادب میں طبع آزمائی کی اور کمال مہارت کا ثبوت پیش کیا۔ ان کے ہر شعر سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ ایک زود نویس ادیب تھے۔ ان کا کلام فسانۂ دِل اور محبت کی داستان ہے۔ اپنے کلام کے بارے میں خود ممدوح نے درست لکھا ہے:

جو انتساب ہے لکھا فسانۂ دل پر
کہیں کتابِ محبت کا اقتباس نہ ہو[3]

ان کا کلام منظومات و غزلیات کے علاوہ قطعات و رباعیات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے نعت میں شق القمر کے حوالے سے کیا خوب لکھا ہے اور اپنی عاجزی کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

ہو جائے قمر جس کے اشارے پہ دو ٹکڑے
اس سرورِ کونین ﷺ سے کیا ہو نہیں سکتا
عاصی ہو ں ، شرمسار ہوں لیکن یہ یقیں ہے
وہ رحمتِ عالم ﷺ ہے خفا ہو نہیں سکتا[4]

تحسین سبائے والوی نے استفساری انداز میں شانِ رسالت مآب کا ذکر کیا ہے اور تلمیحات کو خوب برتا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

وہ کون تھا جسے سجدہ کیا فرشتوں نے
یہ کون ہے جو خدا کے حضور پہنچا ہے[5]

وطن سے محبت کا اظہار ہر شاعر نے کیا ہے۔ تحسین سبائے والوی نے بھی اس معاملے میں نہایت روانی سے تحریر کیا۔ ان کی تحریر کردہ نظم "سوہنی دھرتی" سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مقدس آنسوؤں آہوں سے اک تحریر بنتی ہے
یہی تحریر سچی سوچ سے تقدیر بنتی ہے
شہیدوں کا لہو شامل ہوتو اکسیر بنتی ہے
اسی اکسیر سے آزادی کی تصویر بنتی ہے
یہی تصویر چشم و ذہن سے دل میں اُترتی ہے
یہ پاکستان ہے میرا یہی تو سوہنی دھرتی ہے [6]

اسی نظم میں انھوں نے مزید لکھا ہے:

یہ میری سوہنی دھرتی ، میرا پاکستان جنت ہے
غلامانِ نبی بے تاج سلطانوں کی دھرتی ہے
نڈر، بے خوف، غیرت مند انسانوں کی دھرتی ہے
یہ شاہینوں کی شہبازوں کی پروانوں کی دھرتی ہے
وطن پر جان دینے والے دیوانوں کی دھرتی ہے
یہ تحسینؔ قائدِ اعظم کی ہے اقبال کی دھرتی
عزیزو سرور و منہاس جیسے لال کی دھرتی (7)

انھوں نے قومی تہواروں پر خاص طور پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی نظم "یومِ پاکستان" اس حوالے سے نہایت اہم ہے۔ نظم کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

ظلمتوں کا دن ڈھلا تھا یومِ پاکستان پر
مُلک اک ہم نے چُنا تھا یومِ پاکستان پر
جذبۂ آزادی انسان تھا اسلاف کا
خوں رگوں میں دوڑتا تھا یومِ پاکستان پر
بچہ تھا بوڑھا تھا یا کوئی جواں تھا دوستو!
تان کر سینہ کھڑا تھا یومِ پاکستان پر
سوچ کی سچائی کا اپنا الگ انداز تھا
فکر کا اک سلسلہ تھا یومِ پاکستان پر
بخدا لے کررہیں گے ہم الگ اپنا وطن
ہوگیا جو بھی کہا تھا یومِ پاکستان پر
خواب تھا تحسینؔ سچا قائد و اقبال کا
جو حقیقت بن گیا تھا یومِ پاکستان پر (8)

یومِ آزادی کے موقعے پر انھوں نے اپنے وطن سے محبت کے ساتھ یہ بھی اظہار کیا ہے کہ ملک کو امن و امان اور ترقی و خوشحالی کا مرکز بنایا جائے۔ انھوں نے کلامِ موزوں میں ان جذبات کو یوں پیش کیا ہے:

امن ہو انسانیت ہو پیار ہو
بستیاں ایسی بساؤ دوستو!
نفرتوں کا بیج بونے والوں کو

پیار کی پھانسی چڑھاؤ دوستو!
مانگ بھردوں آج دھرتی ماں کی میں
اتنے تارے توڑ لاؤ دوستو!
حرف نہ آئے وفا کے نام پر
وقت آئے سر کٹاؤ دوستو!
خوابوں میں تحسینؔ رہنا چھوڑ دو
اے حقیقت آشناؤ دوستو (9)

شاعر اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں ان کی نظم "خوشبوئے عالم" ایک ایسی نظم ہے جو عالمی حالات کا احاطہ کرتی ہے۔ حقیقت کی ترجمانی اور بے ساختگی ان کے کلام میں نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

اُداس ہے نظر نظر، لہولہو، جگر جگر
کھڑی ہے موت سامنے یہاں ہرایک موڑ پر
ہوا میں انتشار ہے فضا بھی سوگوار ہے
گلوں کا رنگ زرد ہے لُٹی لُٹی بہار ہے
یہاں تو ذہنی طورپر ہر آدمی بیمار ہے
منافقت خلوص ہے ہوس کا نام پیار ہے
یہاں نہ کوئی ہمنوا یہاں نہ کوئی چارہ گر
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہر ایک موڑ پر
ہر آنکھ ہے پھٹی پھٹی رگ جگر کٹی کٹی
حقیقتوں سے ہر روش جُدا جُدا ہٹی ہٹی
ہر ایک سوچ مختلف حصوں میں ہے بٹی بٹی
ہرایک خیال کھوکھلا ہرایک شئے بناوٹی
فنا ہوئی ہیں چاہتیں کھلے ہیں نفرتوں کے در
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہر ایک موڑ پر (10)

اسی نظم میں انھوں نے خوف و دہشت کو کچھ یوں بیان کیا ہے کہ یہ ہر فرد کی زبان معلوم ہوتی ہے:

لبوں پہ گنگناہٹیں دلوں میں ڈر کی آہٹیں
ذہن میں خوف کی لہر بدن میں کپکپاہٹیں

ہر ایک روح میں ہر گھڑی غموں کی سرسراہٹیں
دکھوں کی ہیں علامتیں یہ مردہ مسکراہٹیں
اُٹھا جنازہ شام کا مگر نہ ہو سکی سحر
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہرایک موڑ پر
بکا بکا حجاب ہے ،لٹا لٹا شبا ب ہے
نظر کرو کہ ہر نظر ہوس کی اِک کتاب ہے
شرافتوں کی موت ہو تو ناچتی شراب ہے
یہ کیسا اِنقلاب ہے یہ کیسا اِنقلاب ہے؟
میں پوچھتا ہوں دوستو جواب کون دے مگر
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہراِک موڑ پر (11)

منافقت اور ملمع کاری کو انھوں نے انسانی المیہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

کلیجہ پاش پاش ہے سکون کی تلاش ہے
ہے قابلِ صد اِحترام وہ جو بد قماش ہے
یاں مقتدی کی بات کیا امام ہی عیاش ہے
جو بُت شکن تھا دوستو وُہ آج بُت تراش ہے
نہ جانے لے کے جارہا ہے دور یہ ہمیں کدھر
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہر ایک موڑ پر
ہے کھیل کھیلا جارہا بس آگ اور خون کا
کبھی چلی ہیں گولیاں کبھی ہے کوئی بم پھٹا
کہیں پہ بجلیاں گریں کہیں پہ ہے دھواں اُٹھا
اب آدمی کا آدمی لہو ہے چاٹنے لگا
غضب نہیں ہے یہ کہ ہے بشر کی تاک میں بشر
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہرایک موڑ پر (12)

تکرارِ لفظی اور محاورات کا استعمال اور جذبات کی روانی نظم کے شعرا میں دکھائی دیتی ہے۔ اس کا ایک نمونہ اسی نظم میں دیکھیے:

ہے شاخِ گُل جلی جلی کلی کلی میں بے کلی
گلوں کو روتا چھوڑ کر بہار باغ سے چلی
شہر شہر ہے غمزدہ اداس ہے گلی گلی
یاوقت ہے رُکا ہوا یا شامِ غم نہیں ڈھلی
یا پھر سحر ہے سوگئی کہیں پہ گھوڑے بیچ کر
کھڑی ہے موت دوستو یہاں ہر ایک موڑ پر (13)

دلی صدمات اور حسنِ تعلیل کی مثال ان کی ایک نظم "تمنا" میں نظر آتی ہے:

شب تاریک رخصت ہورہی ہے
سحر لیکن ابھی تک سو رہی ہے
لب و رُخ چومتی ہے رو رہی ہے
دہن پھولوں کا شبنم دھو رہی ہے
کسی کی یاد میں یہ شب کٹی ہے
الم ہے یَاس ہے اُفتادگی ہے (14)

تحسینؔ سبائے والوی نے اپنے دیہات کی تعریف میں قوافی کا استعمال نہایت جامعیت کے ساتھ کیا ہے۔ وفا، حیا اور صبا کے سہ حرفی قوافی کے ذریعے جذبات کو نہایت روانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہوا کی تازگی آج بھی دیہات کے دم سے، کلامِ تحسینؔ ملاحظہ کیجیے:

یہاں پُر کیف دن ہیں اور سحر انگیز ہیں راتیں
شہر والو! سنو تم بھی مرے دیہات کی باتیں
شہر سے دور دیہاتوں میں اب بھی ہے وفا زندہ
ہے گو دوشیزہ بے پردہ پر اس کی ہے حیا زندہ
مرے دیہات ہی کے دم سے ہے اب تک صبا زندہ
یہاں ارض و فلک آپس میں کرتے ہیں ملاقاتیں
شہر والو!سنو تم بھی میرے دیہات کی باتیں (15)

شاعر اپنے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے دیہات کے افراد کی معصومیت اور محرومی کا تذکرہ کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

یہی دیہات ہے میرا جہاں معصوم رہتے ہیں
یہ حاکم ہیں زمینوں کے مگر محکوم رہتے ہیں

سہولت کوئی بھی ہو اس سے یہ محروم رہتے ہیں (16)

تحسین ؔسبائے والوی نے کسمپرسی کی زندگی بسر کی۔ ہمارے ہاں عموماً شاعر مفلوک الحال ہوتے ہیں۔ یہی حال تحسین ؔکا بھی تھا۔ انھوں نے محکمہ بہبودِ آبادی میں بطور میل اسسٹنٹ کام کیا اور مشکلات و مصائب میں گھرے رہے۔ ان کی نظم "میل اسسٹنٹ" اس کا برملا اظہار ہے۔ چند مصرعے ان کی زندگی کی حقیقی ترجمانی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

بچوں کو یہاں بُھوک سے رُوتے ہوئے دیکھوں
اِک ماں کو نئی آس میں سوتے ہوئے دیکھوں
برباد پھر ان سپنوں کو ہوتے ہوئے دیکھوں
اشکوں کے گُہر دن کو پروتے ہوئے دیکھوں
نے سایۂ دیوار نہ آنگن ہے نہ در ہے
بس یہ ہے جو اک میل اسسٹنٹ کا گھر ہے (17)

شاعر تصوراتی دنیا میں محو رہتا ہے۔ تحسین ؔنے اپنے خیالات کو بھی زندگی کا روپ عطا کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان کی نظم "کاش! میرا یہ خیالِ خام پاتا زندگی" محرومیوں کو خوشحالی میں بدلنے کی ایک تمنا ہے۔ نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

تحریر میں تقدیس ہو، تقریر میں تاثیر ہو
تقصیر نہ تعزیرہو، تخریب نہ تشہیر ہو
کوئی نہ ہو افسردہ دل کوئی نہ دل دلگیر ہو
تدبیر ہی تقدیر ہو ، تقدیر ہی تدبیر ہو
اور آدمی سوچے تو سوچے آدمی کی بہتری
کاش! میرا یہ خیال خام پاتا زندگی (18)

پاکستان میں حالاتِ حاضرہ کا گلہ شکوہ انھوں نے قائد سے اپنی نظم "فریاد" میں کیا ہے۔
لکھتے ہیں:

سوچا کروں فریاد یا خاموش رہوں میں
آئی یہ صدا کان میں قائد سے کہوں میں
جو دور عوامی ہے اسی دور میں بیداد
فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد (19)

انھوں نے مقامی علاقوں کو بھی اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ "جتوئی" ان کی معروف نظم ہے جس میں انھوں نے علاقائی تاریخ کو قلمبند کیا ہے۔[20] "جشنِ علی پور" ان کی ایک ناتمام نظم ہے جس میں انھوں نے دہقانوں اور دریاؤں کی بات کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

گُل اُمید دہقانوں کے کھلتے ہیں علی پور میں
جہاں پر پانچ دریا آ کے ملتے ہیں علی پور میں
علی پور پانچ دریاؤں کا سنگِ میل ہے دیکھو
مظفر گڑھ سے بڑھ کر ہے مگر تحصیل ہے دیکھو[21]

"کشمیر" ان کی ایسی نظم ہے جس میں انھوں نے کشمیریوں کو مخاطب کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

جو وادیٔ کشمیر ہے کشمیر کے لوگو
وہ آپ کی جاگیر ہے کشمیر کے لوگو[22]

تحسینؔ نے نفرتوں کا بیج بونے والوں کا تعاقب کیا ہے۔ "وہ کون تھے؟" ان کی ایسی نظم ہے جس میں استفہامیہ انداز میں انھوں نے اصلاحِ معاشرہ اور اتحاد و یگانگت کی بات کی ہے۔ اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

جو نہ ہونا تھا وہی ہونے دیا
نفرتوں کا بیج کیوں بونے دیا
سوچ لیتے آنے والے کون تھے؟
یہ تباہی پھیلانے والے کون تھے؟
میں بتاتا ہوں تمھیں وہ کون تھے
دشمنِ انسانیت فرعون تھے
دام میں پہلے تُجھے لایا گیا
ناچ پھر تگنی کا نچوایا گیا
تم حقیقت کو نہ جھٹلانا کبھی
غیر کی باتوں میں نہ آنا کبھی
دے سزا ظالم کو نہ مظلوم بن
خدمت ملت تو کر مخدوم بن
اَمن کی اور آشتی کی بات کر
زندہ رہ اور زندگی کی بات کر

ہے لڑاتا بھائی کو بھائی سے جو
ایسے مجرم کو سزا دو دوستو!
جو کبھی تحسینؔ سنا دیکھا نہ ہو
پاک دھرتی سے پیار ایسا کرو [23]

تحسینؔ کے کلام میں سوز اور دردِ دل پایا جاتا ہے۔ انھیں میرؔ کا پیرو کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ دکھ درد کو انھوں نے اپنا رزق گردانا ہے۔ اپنی نظم "سوزِ دل" میں رقمطراز ہیں:

سوزِ دل، دردِ جگر ، آہ ، اشک ، تڑپ
رزق یہ میرا مجھے میرے خدا دیتے رہو[24]

ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں:

نامکمل سی ذات ہے میری
زندگی بے ثبات ہے میری
پوچھتے کیا ہو میرا سرمایہ
درد کل کائنات ہے میری[25]

تحسینؔ انتہائی حساس شاعر تھے۔ سروس میں بچوں کی بیماری اور دیگر مسائل کو بھی انھوں نے نظم کیا ہے۔ "بچے کو بچاؤں کہ میں سروس کو بچاؤں" ان کی ایسی نظم ہے جو ملازمت پیشہ ہر فرد کی آواز ہے۔ چند اشعار سے ان کی کیفیات سامنے آجاتی ہیں:

بچہ جو بیمار ہو ، بتا کیسے جیوں میں؟
ہوں مفلس و نادار ، بتا کیسے جیوں میں؟
تو بھی تو ہے سردار ، بتا کیسے جیوں میں؟
یہ زخم عنایات میں سینے پہ سجاؤں
بچے کو بچاؤں کہ میں سروس کو بچاؤں[26]

شاعر کی اپنے خالق سے بات اور شکوہ و شکایت ایک ایسی روایت ہے جسے اقبال نے عروج پر پہنچایا۔ تحسینؔ نے اس تتبع میں لکھا ہے:

اس طرح تو نے تراشا آدمی
کوئی زندہ کوئی لاشا آدمی
خالقِ کل گُستاخی معاف

تُو   تماشائی   تماشا   آدمی[27]

اس حقیقت سے کسے انکار ہے کہ سچی شاعری زندگی کی عکاس اور درد کا مرقع ہوتی ہے۔ ایک دردِ دِل رکھنے والے شاعر کی طرح انھوں نے مصائبِ عشق کو متاعِ زیست قرار دیا:

وہ اِک قلاش ہے تحسینؔ میری نظروں میں
کہ جس کے پاس غمِ عشق کی اسا س نہ ہو[28]

تحسینؔ کا کلام مجاز و تصوف میں بٹا ایک منفرد تجربہ ہے۔ انھوں نے نظریہ وحدت الوجود سے عشقِ حقیقی اور تقدیسِ محبت کو پیش کیا۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیہ کی دنیا سے کنارا کشی کی وجہ اہلِ زمانہ کے تصورِ عشق کو قرار دیا ہے کہ وہ ہوس کو عشق سمجھ بیٹھے ہیں۔ "حادثۂ وفا" کے تخلیق کار نے بھی منصورِ وقت کا تذکرہ پیش کیا اور خوب کیا:

پائی معراج عشق   جو منصورِ وقت تھے
اور جو ہوس پرست تھے بدنام کر گئے[29]

بڑے شاعر کی پہچان تشبیہات اور استعارات کی زبان ہوتی ہے۔ طرح پر گرہ اور منظر نگاری کی فنی کاٹ تحسینؔ کا طرۂ امتیاز ہے، جس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

ہر پتی دُر تھی شاخ تھی دھاگہ گلاب کی
"ٹوٹی لڑی تو ہار کے دانے بکھر گئے" [30]

شاعر کی طلب عام فرد سے جُدا ہوتی ہے۔ وجدان و تخیل کی پرواز شاعر کو مادی دنیا سے دور لے جاتی ہے۔ غزل میں متنوع موضوعات کو تحسینؔ نے نہایت عمدگی سے سمویا ہے۔ ان کی ایک غزل ایسی ہے جس کا ہر شعر "بیت الغزل" لگتا ہے:

آپ کی نظرِ کرم کا اِک اشارہ چاہیے
ڈوبتے کو کیوں کہ تنکے کا سہارا چاہیے
میں تو سودائی ہوں سوداگر نہیں ہوں دوستو!
فائدے کا آپ ہی سوچیں خسارہ چاہیے
یادوں کے نوکیلے تودے آج پتھر ذہن سے
جو بہالے جائے ایسا تیز دھارا چاہیے
وہ رسالہ جس میں امن و آشتی کی بات ہو
اس کا مجھ کو آج اِک تازہ شمارہ چاہیے[31]

اسی غزل کا یہ شعر شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کے تخیل سے گہری مماثلت رکھتا ہے، جس میں ہمارے وسیب کے شاعر نے جو طلب کیا ہے اس کی داد و تحسین، تحسینؔ کا حق ہے:

گر کہا کہ مانگ تو میں بھی کہوں گا اے خدا
کُن سے پہلے جو چمکتا تھا وہ تارا چاہیے[32]

مقطعے میں "چنابِ دہر" کی ترکیب معنی آفرینی کا ایک جہان ہے اور معراجِ عشق کی طلب کا بلند ترین مقصد ہے:

غوط زن تحسینؔ ازل سے ہوں چنابِ دہر میں
عشق کی معراج حاصل ہو کنارا چاہیے[33]

غزل کے رموز اور تاریخی حقیقتوں کو نئے پن سے مالا مال کرنے والے تحسینؔ نے چناب کو سوہنی کی جان لینے پر بے اعتبار قرار دے کا حسنِ تعلیل کا خوب استعمال کیا ہے:

کھو گیا اعتماد سوہنی کا
ہے خموش اب چناب توبہ ہے[34]

عارضی زندگی کے بارے میں تحسین نے خوب صورت منظر کشی اور مثال پیش کی ہے:

گامزن ہیں دونوں فنا کی طرف
آدمی اور حباب توبہ ہے[35]

شاعر کا کلام وہ گفت گو ہوتی ہے جو کی نہیں بلکہ محسوس کی جاتی ہے۔ تحسینؔ نے اس لطیف احساس کو اس طرح پیش کیا ہے:

پوچھا تو بولے وہ کہ کوئی بات ہی نہیں
لیکن نظر ملی تو وہی بات ہوگئی[36]

انسانی ذہن ارتقا اور مختلف منازل سے بالیدگی پاتا ہے۔ حق گوئی ایک مشکل مرحلہ ہے اور انا کو قائم رکھنا شاعر مقصودِ ادب، اس کیفیت میں انھوں نے ایک نیا پہلو پیش کیا ہے:

بھرم بھی تو رکھنا ہے جھوٹی انا کا
میرے ہاتھ کاٹو! قلم چھین لو تم[37]

آج کے اس جدید دور میں انسانی اقدار کے فقدان پر انسان، انس و محبت کے جذبے کے برعکس مادی فوائد پر بنی نوعِ انساں کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحسینؔ نے دورِ جدید کے انسان کو گنجلک شے قرار دیا ہے:

انسان ہی انسان کا دشمن ہے یہاں پر
یہ آج کا انساں سمجھ میں نہیں آتا[38]

شاعر کا کلام اس کی زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے۔ میرؔ کا درد اس کی پہچان ہے تو تحسینؔ نے اسے اپنی دولت قرار دیا ہے:

نامکمل سی ذات ہے میری
زندگی بے ثبات ہے میری
پوچھتے کیا ہو میرا سرمایہ
درد کل کائنات ہے میری[39]

تحسینؔ ایک ایسی روح کا نام ہے جس نے ابدی زندگی کا پیغام دیا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں بھی یہی پیغام عام کیا ہے:

جی کے مرنے کی روایت توڑو
مر کے جینے کا سلیقہ سیکھو[40]

ادیب آفاقی فکر کے مالک اور امن کے سفیر ہوتے ہیں۔ انھوں نے انسانیت کی روشنی پھیلائی ہے۔ تحسینؔ کے کلام میں انسانیت کا اُجالا نمایاں نظر آتا ہے:

دُور راتوں کا اندھیرا کیجیے
شام سے پہلے سویرا کیجیے
چاندنی انسانیت کے چاند کی
دوستو! ہر سو بکھیرا کیجیے[41]

انسانیت اور آزادی کا درس اعلیٰ وارفع مقاصد کی تکمیل کا سفر ہے۔ تحسینؔ نے آزادی کے تقدس کو مجروح کرنے سے روکا ہے۔ انھوں نے آزادی پر موت کو ترجیح دی ہے:

آ گئے ہیں موت کو ہم ٹال کر
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
لفظ آزادی مقدس لفظ ہے
اس تقدس کو نہ تو پامال کر[42]

پانی اور دریا زندگی کی علامات ہیں لیکن سوہنی کی داستان سے دریائے چناب پر زندگی کا بھروسا باقی نہیں رہا، اس نئے اور انوکھے مضمون کو تحسینؔ نے شعر کی زبانی پیش کیا ہے:

کھو گیا اعتماد سوہنی کا
ہے خموش اب چناب توبہ ہے[43]

احسان دانشؔ نے مزدور کی جو ترجمانی کی ہے، اس کی کسک تحسینؔ کے کلام میں بھی نظر آتی ہے:

مزدور کی جبیں امیں ہے جس کی دوستو

وہ میری آنکھ سے بہتا دکھا دے[44]

تحسینؔ سبائے والوی کی شخصیت اور فن پر مکمل تحقیق کے لیے ایک طویل مقالہ درکار ہے۔ ان کی شخصیت اردو اور سرائیکی تخلیقات کے حوالے سے نہایت اہم ہے۔ سرائیکی افسانہ نگاری کی اولیت ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔[45]

تحسینؔ سبائے والوی تاریخِ ادب کی ایک ایسی شخصیت ہیں جنھیں کھوج کر اور شائع کرا کر برادرِ مکرم مولانا غلام جیلانی نے احسان کیا ہے۔ ان کی اس سعی پر تحسین و آفرین پیش کرتے ہوئے "حادثۂ وفا" کے تخلیق کار کا یہ شعر اردو ادب کی روایتی عدم توجہی اور ایک عظیم شاعر کی وفات کے تیس برس بعد اشاعت پر اداسیاں بکھیر رہا ہے:

اِک بندۂ خدا کو خدا نے بلا لیا

بندے خدا کے سارے کے سارے اُداس ہیں[46]

انھوں نے سرائیکی میں بھی شاعری کی۔ اُن کا تحریر کردہ ایک کتابچہ اگست ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں اُن کی تین نظمیں شامل تھیں۔ ا۔ بے تاج بادشاہ، ۲۔ محبت بقا ہے، ۳۔ ہاں مفلس و نادار۔ غلام جیلانی چاچڑ نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

" محمد اقبال آپڑیں ناں دی نسبت نال واقعی اِقبال (بخت) ثابت تھیا تے اُندا تخلص "تحسین" اُوندی شخصیت تے چغلیاں چیندا رہ ویندے جو واقعی تحسینؔ، تحسین دے لائق ہا۔ اُوہک وڈے قد کاٹھ تے بہوں ناں والے ادیب تے شاعر ہن، اوڈکھی انسانیت دا ہمدرد، یاریں دا یار، آپڑیں بھانویں پرائے سب سے غمخوار تے وستی دے لوکیں نال خلق ونڈن والا ہک بھلے مانس انسان ہا۔"[47]

(محمد اقبال اپنے نام کی نسبت واقعی اقبال (بخت) ثابت ہوئے ان کا تخلص "تحسینؔ" اُن کی شخصیت کا غماز ہے کہ واقعی تحسینؔ، قابلِ تحسین تھے۔ وہ عظیم قد آور ادیب و شاعر تھے، وہ دکھی انسانیت کے ہمدرد، دوستوں کے دوست، اپنوں بیگانوں سب کے غمخوار اور بستی کے لوگوں کے ساتھ محبتیں بانٹنے والے ایک بھلے مانس انسان تھے۔)

"بے تاج بادشاہ" تحسین سبائے والوی کی ایک ایسی نظم ہے جسے پڑھتے ہوئے شاعر کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔ اس کا ابتدائی بند ملاحظہ کیجیے:

ڈکھیں دی میں پناہ ہاں سولیں دی خاص جا ہاں

میں درد آشنا ہاں بے تاج بادشاہ ہاں

اللہ دا اے کرمِ تابع میڈے قلمِ ڈکھیں دے نال یاری ، سنگتی جنابِ غمِ

وڑدے جو درد آتے ول مار پندا پھمِ جتی گزاری ہے میں لبیں تے رِہا دمِ

تروڑاں خیال جوڑاں ڈینہہ رات ایہو کم   جذبات تے سواری سوچیں اُتے قدم
بندہ خدا دا ہاں ، میں لفظیں دا ناخدا ہاں
بے تاج بادشاہ ہاں بے تاج بادشاہ ہاں[48]

(ان مصرعوں میں بتایا گیا ہے کہ وہ دکھ درد کی جائے پناہ اور درد آشنا ہونے کی وجہ سے بے تاج بادشاہ ہیں۔ ان پر اللہ کا کرم ہے کہ قلم اُن کے تابع ہے۔ دکھ اور غم اُن کے دوست ہیں۔ درد اُن کے ہاں آکر مکرو فریب سے پڑار ہتا ہے۔ انھوں نے جو زندگی بسر کی ہے بس جان لبوں پر رہی۔ وہ دن رات خیال کے تانے بانے بننے میں محو رہتے ہیں۔ وہ جذبات اور سوچوں پر سوار رہتے ہیں۔ وہ بندۂ خدا ہیں اور لفظوں کے ناخدا ہیں۔ اس لیے بے تاج بادشاہ ہیں۔)

اقبال تحسینؔ نے اپنی ایک نظم "محبت بقاہے" میں مکالماتی انداز میں لکھا ہے کہ

پتہ نہیں تیئں محبت کو ں سمجھا تائیں کیا ہے
بی ہر شے فنا ہے ، محبت بقاہے[49]

(معلوم نہیں کہ تم نے محبت کو کیا سمجھ لیا ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے صرف محبت کو بقا حاصل ہے۔)

انھوں نے اپنی کسمپرسی کو استفہامیہ انداز میں نظم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

کیوں کھڑکے میڈے نال نوھی گالھ کریندا
اسلام تاں ساکوں ہے کرن پیار سکھیندا

(آپ میرے ساتھ ٹھہر کر بات کیوں نہیں کرتے؟ اسلام تو ہمیں محبت کا درس دیتا ہے۔)

تحسین سائے والوی کے کلام میں معاشرے کی حقیقی عکاسی اور احساس دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں عام آدمی کے دکھ درد کو پیش کیا ہے۔ اپنے وسیب کی نمائندگی کی ہے۔ اُن کا کلام کتابی شکل میں منظرِ عام پر نہیں آسکا۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ چاچڑ، غلام جیلانی، عرضِ مرتب، مشمولہ ڈو جھی کندھی، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، 2000ء، ص10

2۔ مجاہد جتوئی، معاشرے کنوں انصاف داطالب تحسین سائے والوی، مشمولہ ماہنامہ سرائیکی ادب ملتان، اکتوبر 1989ء

3۔ تحسین سائے والوی، محمد اقبال، حادثۂ وفا، قلمی نسخہ مملوکہ غلام جیلانی چاچڑ، بستی چاچڑاں، سائے والا، مظفر گڑھ، س۔ن، ص 56

4۔ ایضاً، ص2

5۔ ایضاً، ص3

6۔ ایضاً، ص8

7۔ ایضاً، ص9-10

8۔ ایضاً، ص10-11

9۔ ایضاً، ص12

10۔ ایضاً، ص13-14

11۔ ایضاً، ص14

12۔ ایضاً، ص16

13۔ ایضاً، ص15-16

14۔ یضاً، ص16

15۔ یضاً، ص18

16۔ ایضاً، ص18

17۔ ایضاً، ص22

18۔ یضاً، ص24

19۔ ایضاً، ص25

20۔ ایضاً، ص28

21۔ ایضاً، ص29

22۔ یضاً، ص32

23۔ ایضاً، ص35-36

24۔ ایضاً، ص38

25۔ ایضاً، ص104

26۔ ایضاً، ص39

27۔ ایضاً، ص101

28۔ ایضاً, ص101

29۔ ایضاً, ص101

30۔ ایضاً, ص101

31۔ ایضاً، ص63-62

32۔ ایضاً، ص60

33۔ ایضاً، ص60

34۔ ایضاً، ص60

35۔ ایضاً، ص60

36۔ یضاً، ص60

37۔ یضاً، ص60

38۔ ایضاً، ص60

39۔ ایضاً، ص60

40۔ ایضاً، ص60

41۔ ایضاً، ص60

42۔ ایضاً، ص60

43۔ ایضاً، ص60

44۔ ایضاً، ص60

45۔ غلام جیلانی چاچڑ نے ان کے نو مطبوعہ اور ایک غیر مطبوعہ افسانوں پر مبنی کتاب "ڈو جھی کند ھی" مرتب کی ہے۔ جسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے اکادمی ادبیات پاکستان کے تعاون سے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں مرتب غلام جیلانی چاچڑ نے تحسین سبائے والوی کو پہلا افسانہ نگار قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے "سرائیکی دے پہلے افسانہ نگار دا قضیہ" میں غلام حسن حیدرانی کو سرائیکی کا پہلا افسانہ نگار ثابت کیا ہے۔ تاہم انھوں نے مزید تحقیق اور اثبات کی قبولیت کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا۔ (تحسین سبائے والوی، ڈو جھی کند ھی، مرتب: غلام جیلانی چاچڑ، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، اشاعت اول ۲۰۰۱ء، ص7 تا33)

46۔ ایضاً، ص60

47۔ غلام جیلانی چاچڑ، ہک گالھ، مشمولہ ترائے نظماں بے تاج بادشاہ، محبت بقاہے، ہاں مفلس و نادار (سبائے والہ: محمد اشرف تحسین، اگست ۲۰۰۵ء)، ص2

48۔ محمد اقبال تحسین، ترائے نظماں بے تاج بادشاہ، محبت بقاہے، ہاں مفلس و نادار (سبائے والہ: محمد اشرف تحسین، اگست ۲۰۰۵ء)، ص5

49۔ محمد اقبال تحسین، ترائے نظماں بے تاج بادشاہ، محبت بقاہے، ہاں مفلس و نادار (سبائے والہ: محمد اشرف تحسین، اگست ۲۰۰۵ء)، ص108

References in Roman Script:

1. Ghulam Jilani Chachar, Arz-e-Muratib, in Dojhi Kandhi, Saraiki Adabi Board, Multan, 2000, p. 10
2. Mujahid Jatoi, Muashray Kunoon Insaaf Da Talib Tehseen, in Mahnama Saraiki Adab, Multan, October 1989
3. Tehseen, Muhammad Iqbal, Hadisa-e-Wafa, Manuscript, Ghulam Jilani Chachar Collection, Basti Chachran, Sabai Wala, Muzaffargarh, n.d., p. 56
4. Ibid., p. 2
5. Ibid., p. 3
6. Ibid., p. 8
7. Ibid., p. 9–10
8. Ibid., p. 10–11
9. Ibid., p. 12
10. Ibid., p. 13–14
11. Ibid., p. 14
12. Ibid., p. 16
13. Ibid., p. 15–16
14. Ibid., p. 16
15. Ibid., p. 18
16. As Above
17. Ibid., p. 22
18. Ibid., p. 24
19. Ibid., p. 25
20. Ibid., p. 28
21. Ibid., p. 29
22. Ibid., p. 32
23. Ibid., p. 35–36
24. Ibid., p. 38
25. Ibid., p. 104
26. Ibid., p. 39
27. Ibid., p. 101
28. Ibid., p.101
29. Ibid., p.101
30. Ibid., p.101
31. Ibid., p. 62–63
32. Ibid., p. 60
33. Ibid., p. 60
34. Ibid., p. 60
35. Ibid., p. 60
36. Ibid., p. 60
37. Ibid., p. 60
38. Ibid., p. 60
39. Ibid., p. 60
40. Ibid., p. 60
41. Ibid., p. 60

42. Ibid., p. 60
43. Ibid., p. 60
44. Ibid., p. 60
45. Ghulam Jilani Chachar, Dojhi Kandhi, Saraiki Adabi Board, Multan (in collaboration with Academy of Letters Pakistan), 2001, P7–33
46. Ibid., p. 60
47. Ghulam Jilani Chachar, Hik Galh, in Tarae Nazman Bay Taj Badshah, Muhabbat Baqa Hai, Haan Muflis o Nadar, Muhammad Ashraf Tehseen, Sabai Wala, August 2005, p. 2
48. Muhammad Iqbal Tehseen, in Tarae Nazman Bay Taj Badshah, Muhabbat Baqa Hai, Haan Muflis o Nadar, Muhammad Ashraf Tehseen, Sabai Wala, August 2005, p. 5
49. Muhammad Iqbal Tehseen, in Tarae Nazman Bay Taj Badshah, Muhabbat Baqa Hai, Haan Muflis o Nadar, Muhammad Ashraf Tehseen, Sabai Wala, August 2005, p. 108